نبوّت کی ضرورت

(۶)

عبدالحمید صدیقی

ترجمان القرآن کے گذشتہ شماروں میں ہم نے یہ گزارش کی تھی کہ انسان کے داخلی تجربات، اور خارجی مشاہدات میں کوئی تجربہ اور مشاہدہ ایسا نہیں ہو سکتا جو انسان کی صحیح طور پر رہنمائی کر سکے۔ داخلی تجربات میں انسان کے ذاتی احساسات کافی حد تک دخیل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح خارجی مشاہدات پر اُس کے ذاتی تصورات کی پرچھائیں پڑ کر انہیں بڑی حد تک رنگدار بنا دیتی ہے اس لیے اُن میں وہ معروضیت ([illegible]) پیدا نہیں ہو سکتی جو سائنس دانوں کے پیش نظر ہوتی ہے اور جسے وہ سائنس کا طغرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ سارے تجربات اور مشاہدات عقل کی رہینِ منت ہیں جو ان بے جوڑ کڑیوں کو علت و معلول کی جکڑ بندیوں میں جکڑ کر ان سے نتائج برآمد کرتی ہے۔ اگر عقل ان تجربات کی قدم قدم پر دستگیری نہ کرتی اور انہیں اسباب اور نتائج کے سلسلوں میں نہ جوڑتی تو ان تجربات کی قطعاً کوئی حیثیت باقی نہ رہتی۔ لہٰذا یہ تجربات اپنی افادیت کے لیے انسانی عقل و فکر کے ہر لحاظ سے دست نگر ہیں اور اسی کے طفیل اُن کی کوئی قدر و قیمت ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ کو جس قوت نے مفید اور کار آمد بنایا ہے وہ عقل انسانی ہے۔ آئیے اب یہ دیکھیے کہ کیا تنہا عقل انسان کی رہنمائی کا اہم فریضہ ادا کر سکتی ہے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ جس طرح انسان اپنے رہنے کے لیے مکان بناتا ہے، گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے لباس تیار کرتا ہے، اپنے تجربات اور مشاہدات کو محفوظ کرنے کے لیے

قلم و قرطاس کو استعمال میں لاتا ہے، بیمار ہونے کی صورت میں مختلف ادویات سے فائدہ اٹھاتا ہے، خوراک حاصل کرنے کے لیے زمین کا سینہ چیر کر مختلف قسم کی فصلیں اگاتا ہے، دور دراز فاصلوں کو طے کرنے کے لیے تیز رفتار سواریاں ایجاد کرتا ہے، بالکل اسی طرح وہ عقل کی بدولت اس امر کا بھی التزام کر سکتا ہے کہ اپنے لیے اخلاقی ضوابط و قواعد بنائے اور اپنی روحانی تشنگی کو فرو کرنے کے لیے خود ہی کوئی نسخۂ کیمیا تجویز کرے، عقل جس طرح مادی ترقی کی راہ میں رہنمائی دیتی ہے، اخلاق اور روحانیت کے میدان میں بھی وہ اسی طرح شمع ہدایت بن سکتی ہے اور اس کا ناخنِ تدبیر دونوں جگہ مشکل اور پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی میں کارگر ثابت ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر انسان کسی وحی اور الہام کا محتاج نہیں

عقل کا خود عقل پر جو کچھ رعب ہے اگر اسے نظر انداز کر کے ہم عقل کی حدود کا جائزہ لیں تو ہم کو معلوم ہو گا کہ عقل اپنا طبعی فریضہ سر انجام دینے میں تنہا کافی نہیں۔ وہ اپنے اس فرض کی بجا آوری میں اپنے سے کمتر سہاروں کی ہر لمحہ محتاج ہے۔ کسی ایسی چیز تک پہنچنے میں جس سے وہ قطعاً نا آشنا ہے اُسے ایسی معلومات سے کام لینا پڑتا ہے جو اُسے پہلے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور اگر ذرا مزید گہرائی میں اُتر کر ان مقدمات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی کہ یہ بنیادیں جن پر عقل کی رفیع الشان عمارت اٹھائی گئی ہے وہ درحقیقت محسوسات ہیں۔ آپ عقل کے طویل اور دلچسپ سفرنامہ کا مطالعہ کریں تو یہ چیز ایک واضح حقیقت کے طور پر آپ کے سامنے آئے گی کہ اس کے سفر کا آغاز حقیر محسوسات سے ہی ہوتا ہے، یہی محسوسات پھر زادِ راہ بن کر دورانِ سفر اس کے کام آتے ہیں، تجربات و مشاہدات کے دیئے جو درحقیقت محسوسات کے تیل سے ہی روشن ہوتے ہیں، اسے راہ دکھلاتے ہیں اور بالآخر محسوسات کی منزل ہی عقل کی منزلِ مقصود قرار پاتی ہے۔

پس یہ سارے مراحل جن میں حواس کام کرنے کی کوئی صلاحیت اور اہلیت نہ رکھتے ہوں عقل بھی بیکار ثابت ہوتی ہے۔ اگر محسوسات کشتی ہے تو عقل اس کے چپو یا بادبان۔ جس طرح کشتی بغیر بادبانوں کے آگے نہیں بڑھ سکتی بالکل اسی طرح عقل بھی بغیر محسوسات کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکتی۔

ایک ذہین انسان جو زمین کی افادیت سے یکسر ناواقف ہو، جسے اس بات کا قطعاً کوئی علم

نہ ہو کہ اس میں بیج کس طرح بوئے جاتے ہیں، پھر اس کی کس محنت اور مشقت سے آبیاری کی جاتی ہے اور فصل تیار ہونے کی صورت میں اُسے کن طریقوں سے کاٹا جاتا ہے اور بالآخر اسے کو نسے کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ وہ عقلی اعتبار سے غیر معمولی انسان ہونے کے باوجود اس میدان میں بالکل ناکارہ ہے۔ وہ ہزار عقل و قیاس سے کام لے لیکن اس معاملے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کر سکتا۔ زمین نے سب سے پہلے اس کے سامنے گھاس پھونس اور خود رَو پودوں کو اُگا کر اُس کے ذہن میں یہ تصوّر پیدا کیا کہ زمین کے اندر سے پودے پھوٹ سکتے ہیں۔ پرندوں نے زمین کی سطح کو اپنی چونچوں سے کھود کر اُسے یہ شعور بخشا کہ اس کے اندر ایسے بیج پلٹے جاتے ہیں جو اس کی حرارت اور زرخیزی کی وجہ سے مختلف اشجار یا دوسری فصلوں کی صورت میں بردمند ہوتے ہیں۔ اسی طرح اُس نے بارش کے اثرات کا بھی اپنی آنکھوں سے جائزہ لیا اور یہ دیکھا کہ جب بارش ایک خاص مقدار میں برسے تو زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے اور اگر وہ اس نعمت سے محروم رہے تو پھر اُس پر مردنی چھا جاتی ہے۔ یہ وہ انسان کے ابتدائی مشاہدات تھے جنہوں نے انسان کو دعوتِ فکر و عمل دی اور اُس کے دل و دماغ میں اس تصوّر کو بٹھایا کہ وہ اس میدان میں ترقی کرے۔ چنانچہ اُس نے لمبے اور طویل صبر آزما تجربات کے بعد زمین کی مختلف صلاحیتوں کا کھوج لگایا۔ پھر اس کے سینے کو چاک کرنے کے بھی نہایت مفید اور کارآمد طریقے دریافت کیے، اُس کی آبیاری کے لیے نہریں کھودیں۔ یہ ترقی بلاشبہ انسانی عقل کی ہی رہینِ منت ہے لیکن غور کیجیے کہ اگر محسوسات کی دنیا اُسے تجربہ اور مشاہدہ اور غور و فکر کے لیے مواد فراہم کرنے سے انکار کر دیتی تو آج اس کا حشر کیا ہوتا۔

عقل کی بے بسی اور بے چارگی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ جن محسوسات کے سہارے وہ آگے بڑھتی اور ترقی کرتی ہے وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے ناقص اور غیر مکمل ہیں۔ اس لیے مجرد عقل کے فیصلوں پر کبھی بھی پورا اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ سترھویں صدی کے ایک عالم نکولاس پیر اس نے اپنی کتاب "جستجوئے صداقت" میں نہایت واشگاف طور پر اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

(غلطی کا ایک بڑا ماخذ یہ غلط یقین ہے کہ حواس جو حقیقت میں ہم کو محض عملی اغراض

کے لیے عطا ہوئے ہیں، ماہیتِ اشیاء کو ہم پر منکشف کر سکتے ہیں۔"

اسی طرح ایک دوسرا عالم مونٹین حواس کے عجز پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے:

"انسان کا علم بہت ناقص ہے۔ اس کے حواس غیر یقینی اور خطا پذیر ہیں۔ ہم کبھی نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے حقیقت کو ہمارے سامنے پیش کیا۔ حواس کو دنیا ایسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسی ان کی فطرت وحالت، ادراکِ حسی میں خارجی اشیاء نہیں بلکہ محض آلات جس کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے، حواس پر یقین کرنے کے لیے ہمارے پاس ایک آلہ ہونا چاہیے جو ان کی تصدیق و تکذیب کر سکے اور پھر اس آلہ کی جانچ کے لیے ایک اور آلہ ہونا چاہیے، اسی طرح یہ سلسلہ لامتناہی ہو گا۔

اس کے علاوہ زندگی کے بے شمار گوشے ایسے ہیں جو حیاتِ انسانی میں بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مگر محسوسات کی گرفت سے ماوراء ہیں۔ اس بنا پر محسوسات کے سہارے چلنے والی عقل کی گاڑی جب ان نازک مقامات کے قریب پہنچتی ہے تو خود بخود رک جاتی ہے، اور اگر اس کا احمق ڈرائیور محض اپنی حماقت اور ضد سے اسے ان مقامات کے اندر لے جانے کی کوشش کرے گا جو اس کی حد ادراک سے باہر ہیں تو وہ فہم و فراست کی پٹری سے اتر کر محسوسات کی ریت میں دھنس کر تباہ ہو جائے گی۔ چنانچہ دیکھیے کہ جن لوگوں نے بھی اس قسم کی بے جا جسارت کی ہے انہوں نے انسان کی فکری صلاحیتوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی بجائے انہیں برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک آدمی اٹھتا ہے اور بڑے طنطنے کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انسان کے وجود کا تانا بانا عناصر طبیعی کے مجموعہ سے عبارت ہے، نفس انسانی ٹھوس اجسام اور بے شعور مادہ کی ہی ترقی یافتہ صورتیں ہیں اس لیے ضمیر، وجدان، شعور احساس قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ مادی تبدیلیوں کے ساتھ خود بخود بدلتے رہتے ہیں۔ صحیح اور برحق وہ چیز ہے جس پر حواسِ خمسہ مطمئن ہوں اور ان کی تسلی اور تشفی کا سامان فراہم کر سکے۔ اس مادی فلسفے پر ایک نظامِ فکر کی تعمیر کی جاتی ہے اور ایک فرد کو اجتماعیت کے بڑے کارخانے میں اس طرح بے دریغ ہو کر استعمال میں لایا جاتا ہے جس طرح بے جان پرزوں کو ایک

بہت بڑی مشین ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کی روح فنا ہونے لگتی ہے۔عقل اوّل سے آخر تک اس باطل فلسفے کی تائید کرتی ہے۔وہ سب سے پہلے انسان کو یہ باور کراتی ہے کہ جو چیز محسوس نہیں کی جاسکتی وہ درحقیقت موجود ہی نہیں ہوتی اور جو لوگ محسوسات سے ماوراء کسی چیز کے وجود کے قائل ہیں وہ دراصل کم نظر ہیں پھر انسان کی زندگی کا مقصد بھی اسی فلسفہ کی روشنی میں متعین کیا جاتا ہے اور اسے یہ بات سمجھائی جاتی ہے کہ اُس کی زندگی کا مقصد اجتماعیت کی بلا چون وچرا اطاعت ہے۔ اجتماعیت اُس سے جس طرح چاہے کام لے، اُس کے ساتھ جو سلوک چاہے روا رکھے وہ ہر معاملے میں پوری طرح حق بجانب ہوگی۔

انسان کے بارے میں ان غلط تصورات میں کوئی تصور ایسا نہیں جس کی حمایت میں عقل نے دلائل کے انبار نہ لگا دیئے ہوں۔پھر ان تصورات کے برعکس بھی جو نظریات پائے جاتے ہیں اُن کی تائید بھی عقل ہی سے ہوتی ہے۔عقل کو اس طرح مختلف بلکہ متحارب افکار و تصورات کی حمایت میں صف آراستہ دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ کوئی بے لاگ عدالت نہیں بلکہ ایک ایسا پیشہ ور وکیل ہے جو ہر قسم کے فعل کی مدافعت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔آج زنا، شراب خوری اور اسی قبیل کی دوسری بے حیائیوں کے حق میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ سب عقل ہی کے فراہم کردہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا، آج تک دنیا کی ممتاز عقلیں بھی کسی ایک مسئلہ پر متفق الرائے نہ ہوسکیں۔

یہاں انسان کے ذہن میں ایک سوال اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ کیا انسانی عقل بالکل ناکارہ ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ عقل کی افادیت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔اس کی مدد سے انسان اپنے مشاہدات اور تجربات کو منضبط کرتا ہے اور پھر اسی بنیاد پر مختلف نتائج برآمد کرتا ہے جو انسانی تعمیر و ترقی کی راہ میں بڑے مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔عقل کے خلاف یہ بات البتہ قدرے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ تنہا انسان کے سارے مسائل کو حل کرنے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتی۔حیاتِ انسانی کے بیشمار گوشے ایسے ہیں جہاں عقل

انسانی کی رسائی قطعی طور پر ناممکن ہے۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے فلسفۂ تاریخ کے بہت بڑے مفکر ابنِ خلدون نے ایک نہایت ہی فکر انگیز بحث کی ہے۔

"انسان زعمِ باطل میں مبتلا ہو کر اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ موجوداتِ عالم اس کے ذہن کی گرفت میں ہیں۔ لیکن یہ محض اس کی ابلہ فریبی ہے۔ بہرے آدمی کے نزدیک وجود محسوسات اربعہ اور معقولات کے دائرہ کے باہر نہیں پایا جاتا۔ اس کے نزدیک مسموعات موجودات کی فہرست سے بالکل خارج ہوتے ہیں۔ نابینا کے نزدیک مرئیات کا عالم میں وجود ہی نہیں ہوتا۔ اگر ان معذوروں کو اپنے زمانہ کے معقول لوگوں اور رائے عامہ کا اعتبار نہ ہو تو وہ ان موجودات کے وجود کی کبھی تصدیق نہ کریں، وہ تصدیق کرتے بھی ہیں تو یہ اُن کی فطرت کا تقاضا اور ان کے ادراک کی شہادت نہیں ہوتی۔ . . . . پس اپنی قوتِ ادراک کی وسعت اور ہمت اور اپنے مدرکات کی تعداد کو ہمیشہ غیر یقینی سمجھو۔ اور شریعت الٰہی کی تعلیمات پر پورا پورا اعتماد کرو۔ کیونکہ شارع علیہ السلام تمہاری سعادت کا تم سے کہیں زیادہ آرزو مند، اور تمہاری بھلائی کا تم سے بڑھ کر متمنی ہے، اس کی منزل تمہاری منزلِ علم سے کہیں بلند اور اس کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے کہیں زیادہ وسیع ہے" . . .

"لیکن اس حقیقت سے عقل اور اس کے مدرکات پر کوئی حرف نہیں آتا۔ عقل ایک صحیح میزان ہے، اس کے فیصلوں میں وثوق اور یقین پایا جاتا ہے۔ ان میں کوئی جھوٹ نہیں ہوتا۔ لیکن تم اس ترازو میں امورِ توحید، امورِ آخرت، حقیقتِ نبوت، حقائق صفاتِ الٰہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماورائے عقل ہیں تول نہیں سکتے۔ اور اس قسم کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ ناکام و نامراد رہے گی۔ یہ جسارت اُس شخص کی جسارت کی طرح ہو گی جس نے سونے کا وزن کرنے والی ترازو میں پہاڑوں کو تولنے کا عزم کیا۔ یہ بات قطعی طور پر ناممکن ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ترازو میں کوئی نقص ہے، یا اس کی صحت محلِ نظر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترازو کی صلاحیت کی ایک حد ہے۔ اسی طرح

عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی۔ وہ اللہ اس کی صفات کا پوری طرح احاطہ نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے[1]۔"

دورِ حاضر کے ایک مشہور مفکر الڈس ہکسلے نے بھی اپنی مشہور کتاب ذرائع اور مقاصد پر اس حقیقت کو پوری طرح تسلیم کیا ہے اور بڑے واضح الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ عقل بہت سے معاملات میں انسان کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتی:

"دورِ جدید کے انکشافات نے اس حقیقت کو پوری طرح منکشف کر دیا ہے کہ عقل و فہم اور حسی تجربات پوری دنیا کے ایک نہایت ہی مختصر سے حصے کا احاطہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی اس کوتاہی کی دو بڑی وجوہات ہیں:

اول ہم مکان کے اعتبار سے ایک حد کے اندر مقید ہیں۔ کائنات کے بعض دور دراز گوشے ایسے بھی ہیں جن کے متعلق ہمیں براہِ راست کسی قسم کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا اور اگر قیاس کی مدد سے بھی ہم کسی نتیجہ تک پہنچنا چاہیں تو وہ معلومات بھی نہایت حقیر ہوتی ہیں۔"

دوسرے وہ ذرائع جن کے سہارے ہم خارجی دنیا سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں وہ حقیقت کا کماحقہٗ ادراک کرنے کی قوت و طاقت نہیں رکھتے۔ یہ چیز نتائج کے اعتبار سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

انگلستان کے مشہور فلسفی ڈیوڈ ہیوم نے فہم انسانی میں اس حقیقت کا نہایت سلجھے ہوئے انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"انسانی عقل مخلوق ہے، اور اس لحاظ سے علم اس کی خاص دماغی غذا ہے لیکن ساتھ ہی انسانی عقل و فہم کے حدود اتنے تنگ ہیں کہ اس باب میں اس کو وسعت و اذعان دونوں حیثیات سے بہت ہی کم فتوحات سے تشفی نصیب ہو سکتی ہے۔"

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۶۰ باب فی علم الکلام

ایک دوسرے مقام پر انسانی عقل کی حدود کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"مکمل سے مکمل فلسفہ طبیعی بھی صرف یہ کرتا ہے کہ ہمارے جہل کو ذرا اور دور کر دیتا ہے۔ جس طرح مکمل سے مکمل فلسفہ مابعد الطبیعیات اور اخلاقیات کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ ہمارے اس جہل کے وسیع حصوں کی پردہ دری کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فلسفہ اسرار کائنات کی نہیں صرف ہمارے جہل کی پردہ دری کرتا ہے۔ اس کا حاصل اگر کچھ تھا یا ہو سکتا ہے تو انسان کی کمزوری اور کوتہ چشمی کا تماشا دیکھنا دکھانا جس سے بھاگنے کی کوشش کے باوجود بار بار دوچار ہونا پڑتا ہے۔"

عقل کو زندگی کا رہنما بنانے کے لیے صرف یہی چیز ضروری نہیں کہ وہ حیاتِ انسانی کے سارے شعبوں کی پوری طرح محرمِ راز ہو بلکہ اس کے لیے مکمل توازن اور اعتدال کو قائم رکھنا بھی لابدی ہے کیونکہ اس کے بغیر اس کے فیصلے کبھی بے لاگ نہیں ہو سکتے۔

یہ وہ اہم فرض ہے جس کی بجا آوری میں عقل ہمیشہ ناکام رہی ہے۔ انسانی اعمال اور اُن کی نوعیتیں اس قدر پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہوتی ہیں کہ انہیں علم کیمیا کی طرح سادہ اجزا میں تحلیل نہیں کیا جا سکتا اور تحلیل میں بھی وہ بے لوثی پیدا نہیں ہو سکتی جو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے ازبس ضروری ہے۔ انسان کے اندر بےشمار محرکات کام کرتے ہیں۔ ایک طرف شعور اور لاشعور کی قوتیں کارفرما ہیں، دوسری طرف جذبات و احساسات انسان کے اندر مختلف انداز سے انگیخت کرتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس کی جبلتیں اُسے سرگرمِ عمل رکھنے میں مشغول رہتی ہیں۔ پھر ضمیر اور وجدان کے لطیف اشارے بھی اُس کے فکر و عمل پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ عمل کے ان لاتعداد محرکات کا پوری طرح احاطہ کرنا اور پھر ان میں سے ہر ایک کو اُس کے مرتبہ اور مقام پر اس طریق سے رکھنا کہ کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو ایک ایسی نازک ذمہ داری ہے جس سے عقل کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔